© rasailojaraid.com

# جنوبی ایشیا میں مسلم شناخت کی تعمیر برطانوی دور میں ہوئی

ڈاکٹر مبارک علی سے ڈاکٹر سید ناصر زیدی کی گفتگو

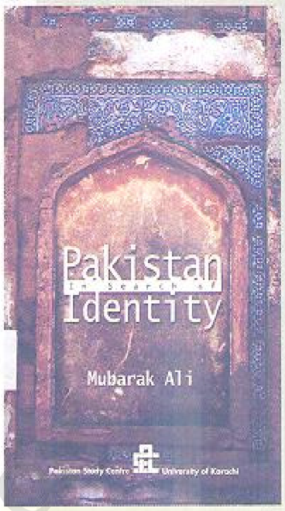


**آپ کی کتاب Pakistan In search of Identity میں مسلم شناخت کا مسئلہ زیر بحث ہے اس بارے میں آپ کا نتیجہ فکر کیا ہے؟**

ڈاکٹر مبارک علی

بنیادی طور پر ایک سوال شروع سے ہماری سوسائٹی میں زیر بحث ہے۔ بطور قوم ان کی شناخت کیا ہے، کیا ہونی چاہیے، دراصل یہ مسئلہ شروع سے ہی متنازعہ رہا جب برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تو اب ایک طرف ہندوستان تھا اور دوسری طرف پاکستان۔ دنیا میں ہندوستان کی نام وتہذیب کے لحاظ سے اپنی ایک شناخت ہے، لیکن پاکستان ایک نیا ملک تھا اور نئی قوم وجود میں آئی اور پھر ایک لحاظ سے اس وقت ان کی کوئی شناخت نہیں تھی اور یہ مسئلہ پیش آیا کہ اب ان کی کیا شناخت ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہاں مختلف کوششیں ہوئیں پہلی کوشش یہ تھی کہ جدوجہد آزادی کے دوران مسلم لیگ نے کئی بار کہا کہ ہم یہ ملک مسلمانوں کے لئے بنا رہے ہیں تاکہ مسلمان یہاں اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں، ذہن میں یہ تصور تھا کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور پاکستان کو ایک اسلامی ملک ہونا چاہیے، لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ پاکستان کی تقسیم کے بعد 11 اگست کو جناح صاحب نے مشہور تقریر کی، انہوں نے کہا کہ یہاں مسلمان، ہندو، سکھ سب ایک ہیں، یعنی مذہب کے لحاظ سے اگرچہ الگ ہیں لیکن قوم کے اعتبار سے ایک ہیں، اس تقریر نے مسلم لیگ کے رہنماؤں اور بیوروکریسی کے لئے مسئلہ پیدا کر دیا اور شاید یہ جناح صاحب کی پہلی تقریر تھی جس پر پریس انفارمیشن نے پابندی لگائی لیکن ڈان کے ایڈیٹر الطاف حسین نے دھمکی دی کہ اگر انہیں تقریر چھاپنے کی اجازت نہیں ملی تو وہ قائداعظم کو اس بارے میں اطلاع دیں گے جس پر تقریر کو چھاپنے کی اجازت دے دی گئی۔ محمد علی جناح کی وفات کے بعد 1949ء میں قرارداد مقاصد جب پاس ہوئی تو لیاقت علی خان جو وزیراعظم تھے، نے کہا کہ قرارداد مقاصد نے اب اس مسئلے کو حل کر دیا ہے اور جناح صاحب کی تقریر سے جو الجھاؤ ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے اور اب قرارداد مقاصد میں یہ کہا گیا ہے کہ اب پاکستان کا قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوگا اور حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ قرارداد مقاصد میں اسلامی دستور کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کے بعد اس بات کی کوشش کی گئی کہ پاکستان کے جتنے دساتیر بنے ہیں وہ قرارداد مقاصد کی روشنی میں قیام میں آئے۔ قرارداد مقاصد کو ابتدائیہ بنایا گیا تھا اور 1956ء کے دستور میں یہ واضح اعلان کر دیا گیا کہ پاکستان اسلامی مملکت اور اس کا صدر مسلمان ہوگا۔ صدر ایوب کے دور میں 1962ء کا دستور بنا تو اس میں ریپبلک آف پاکستان کہا گیا لیکن جب اس پر زیادہ احتجاج ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ ٹائپ کی غلطی ہوئی ہے اور بعد میں اسلامک کا اضافہ کر دیا گیا اور صدر ایوب کے دور میں بھی مزید اسلامائزیشن کی کوشش کی گئی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً یہاں اسلامی نظریاتی کونسل بنائی گئی اور ادارہ تحقیقات اسلامی بنا دیا گیا جس کے سربراہ پروفیسر فضل الرحمٰن تھے اور ایوب خان کے زمانے تک بیوروکریسی اور فوج جن پر نوآبادی دور کے اثرات بھی تھے اور وہ کسی بھی طریقے سے علماء کو اقتدار میں شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسلامی دفعات تو شامل کیں لیکن انہوں نے علماء کی اقتدار میں شرکت کی شدید مخالفت کی لیکن صورت حال تب بدلی جب 1971ء میں مشرقی پاکستان الگ ہوا اور بھٹو صاحب اقتدار میں آئے۔ 73ء کا دستور بنایا گیا۔ اور تب بھٹو صاحب کے زمانے میں ایک نئے پاکستان کا تصور پیدا ہوا، اس نئے پاکستان کے تصور میں 73ء کے آئین میں پاکستان کو اسلامک ریپبلک بھی کہا گیا اور صدر کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا اور پہلی مرتبہ کہا گیا کہ اسلام ریاست کا مذہب ہوگا جبکہ دوسرے دساتیر میں اس کا ذکر نہیں تھا اور سب سے پہلے مذہبی امور کی وزارت بنائی گئی۔

اس کے بعد انہوں نے مذہب کو سیاست کے طور پر استعمال کرنے کی غرض سے امام کعبہ کو بلایا اور غلاف کعبہ کی تشہیر کرائی تاکہ لوگوں کے مذہبی جذبات کو ابھارا جاسکے اور جب 1977ء کے الیکشن کے بعد وہ غیر مقبول ہوئے تو انہوں نے اسلامی تعلیمات کے نام پر جمعہ کی چھٹی کرائی، جوئے اور شراب پر پابندی لگائی اور انہوں نے مولانا مودودی اور مولانا نورانی کو اسلامی نظریاتی کونسل کا سربراہ بننے کی دعوت دی۔ یہ ایک لحاظ سے مذہب کا سیاسی استعمال تھا اور جب ضیاء الحق 77ء میں اقتدار میں آئے تو اسلامائزیشن کا یہ عمل چل رہا تھا انہوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا۔ چونکہ ہر فوجی حکومت کو ایک حلقے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے انہوں نے علماء و مشائخ کے حلقے کا انتخاب کیا۔ انہوں نے 73ء کے آئین کو منسوخ نہیں کیا لیکن اس میں ترامیم کیں اور اسلامائزیشن کے نتیجے میں حدود آرڈیننس، توہین رسالت آرڈیننس اور احترام رمضان کا آرڈیننس بھی شامل کرکے اسلام کے نام پر سزائیں نافذ کردی گئیں۔ بھٹو کے دور میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ تعلیمی اداروں میں مطالعہ پاکستان اور اسلامیات کا مضمون پڑھا جائے گا لیکن پڑھانے کی ابتداء ضیاء الحق کے دور میں ہوئی کہ پرائمری سے لے کر پروفیشنل اداروں تک یہ مضامین لازمی پڑھائے جائیں گے۔ یہ ایک کوشش تھی کہ پاکستانی عوام کو ایک اسلامی شناخت دی جائے جس کے نتائج میں سمجھتا ہوں کہ مذہبی انتہاپسندی اور جنونیت کی صورت میں نکلے۔

یہ تو وہ پہلی کوشش تھی کہ اسلامی شناخت کو کیسے قائم کیا جائے۔ دوسری کوشش جو ہوئی ہے وہ یہ کہ تاریخی لحاظ سے پاکستان کی شناخت کو ابھارا جائے۔ تاریخی شناخت کو قائم کرنے میں جو نقطہ نظر تھا وہ دو قومی نظریہ تھا، جو مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے دوران پیدا ہوا لیکن پاکستان بننے کے بعد اس کو تاریخی حیثیت دے دی گئی۔ اس میں ہمارے مورخوں کا بھی بڑا ہاتھ ہے جن میں آئی ایچ قریشی، ایس ایم اکرام اور معین الحق قابل ذکر نام ہیں۔ آئی ایچ قریشی نے اپنی کتاب لکھی "Muslim Community in Sub-Continent"۔ اس میں ان کا استدلال ہے کہ ہندوستان میں جو مسلمان باہر سے آیا ہے، چاہے وہ عرب ہو، ایرانی، یا ترکی۔ ان کے یہاں آنے کے بعد ان کی شناخت ختم ہوگئی اور مسلم شناخت ہوگئی۔ ہندوستان میں ہندو مسلمان ہمیشہ الگ الگ رہے یعنی کبھی ایک قوم نہیں بنے۔ انہوں نے اکبر پر بڑی تنقید کی ہے کہ اکبر نے ایک مشترک قومیت و کلچر کی جو کوشش کی اس نے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا اور دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کا سبب اکبر کی ہی شخصیت ہے۔ ایس ایم اکرام نے بھی دو قومی نظریہ کو مضبوط کرنے کے لئے شیخ احمد سرہندی کی شخصیت کو بہت ابھارا۔ اس سلسلے میں تاریخ کو بڑا مسخ کیا گیا حالانکہ شیخ احمد سرہندی کا ذکر اکبر کے زمانے میں صرف چار سال کے عرصے تک کا ہے انہوں نے کوئی تحریک نہیں چلائی تھی۔ ان کا زیادہ تر ذکر جہانگیر کے زمانے میں ملتا ہے۔ اب جو نئی تاریخ لکھی گئی، اس میں ان کی شخصیت کو زیادہ ابھارا گیا۔ اس میں مولانا آزاد کا بڑا ہاتھ تھا جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں شیخ احمد سرہندی کے بارے میں کہا کہ مجدد الف ثانی نے اکبر کے الحاد کا تن تنہا مقابلہ کیا۔ حالانکہ اکبر کا کوئی الحاد نہیں تھا اور آزاد کے جملے نے شیخ سرہندی کی شخصیت کو زیادہ ابھارا اور یہ ثابت کیا کہ انہوں نے اکبر کے زمانے میں مشترک قومیت و کلچر کے تصور کے بجائے مسلم قومیت کو ابھارا تھا۔ تاریخ کے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سرہندی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس طریقے سے نفرت وعناد کو پیدا کیا اور انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی عین شریعت ہے، جزیہ ضرور لینا چاہئے تا کہ ہندوؤں کو ذلیل کیا جائے، اور یہ کہ شیعہ کافر ہیں اور واجب القتل ہیں، اس طرح کی باتیں شیخ سرہندی نے کیں، بہر حال ان کو اکبر کے مقابلے میں دو قومی نظریہ کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اور انہی لوگوں نے دو قومی نظریے کی بناوٹ

> عہد وسطیٰ میں مسلم کا لفظ سب کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، شناخت کی بنیاد نسلی ہوا کرتی تھی مثلاً ترک، عرب، پٹھان، مغل وغیرہ، ان سب کو مسلم شناخت نوآبادیاتی دور میں دی گئی۔ اس سے پہلے اس کا تصور نہیں تھا، تاریخ میں ہندو دور، مسلم دور اور برطانوی دور کی اصطلاحات انگریزوں کے دور میں آئیں

کے لئے شاہ ولی اللہ کی شخصیت کو بھی پیش کیا جنہوں نے یہ کہا کہ اسلامی احیاء ضروری ہے تا کہ یہاں جو جاٹ، راجپوت، مرہٹے اور سکھ ابھرے ہوئے ہیں، ان کو ختم کیا جائے، اور اسلامی حکومت کے لئے راہیں ہموار کی جائیں۔ شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو بھی بلایا لیکن جب ابدالی اور اس کے فوجی دہلی میں لوٹ مار کر رہے تھے، تو شاہ ولی اللہ اس کے سرداروں کو خطوط لکھ رہے تھے کہ ان کی لوٹ مار سے ان کے خاندان کو بچایا جائے۔

جب نوآبادیاتی عہد میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو مسلم شناخت کی ذمہ داری علماء نے لے لی اور اس سلسلے میں بنگال میں فرائضی تحریک اور شمالی ہندوستان میں سید احمد شہید کی تحریک چلی، سید احمد شہید نے سرحد میں اپنی اسلامی حکومت قائم کی جو میرے خیال میں ایک لحاظ سے پروٹو طالبان تھے جو آج طالبان کر رہے ہیں، وہ اس زمانے میں ان کے مجاہدین کرتے رہے تھے، وہ زیادہ تر پٹھانوں سے لڑتے رہے اور انہیں سکھوں سے لڑنے کا کم موقع ملا۔ جبکہ فرائضی تحریک کا مقصد بنگال میں اسلامی شناخت کو ابھارنا تھا لیکن جب جدید دور میں آتے ہیں تو سرسید احمد خان کو ایک شخصیت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی اردو ہندی کے جھگڑے کے سلسلے میں کہا تھا کہ دونوں قومیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ پھر جناح اور اقبال آتے ہیں، ان شخصیتوں کے سہارے دو قومی نظریہ کو تاریخی تشکیل دی گئی کہ پاکستان کا بننا اب ایک منطقی نتیجہ تھا، چونکہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں، ایک ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں لہٰذا ایک الگ ملک کا قیام ضروری تھا اور جب ملک بن گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ 47ء کے بعد دو قومی نظریہ کا رہنا ضروری ہے یا نہیں، یعنی کچھ لوگ تو کہتے ہیں اس کی اب ضرورت نہیں رہی ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی ضرورت ہے۔ چونکہ پاکستان کے بننے کے بعد بھی پاکستان میں جو غیر مسلم رہتے ہیں ان کو بھی دو قومی نظریہ کی رو سے دیکھنا چاہئے جیسے ضیاء الحق نے جداگانہ انتخابات کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمان اور غیر مسلموں کے انتخابات الگ الگ منعقد ہوئے، یعنی مسلمانوں کی شناخت کی بنیاد اسلام اور دو قومی نظریہ پر ہوگی یعنی پاکستان میں یہ دونوں ایک قوم نہیں ہیں اور غیر مسلم الگ قوم ہیں، پاکستان کے بننے کے بعد بھی دو قومی نظریہ کو اہم بنیاد بنایا گیا اور یہ کوشش تھی کہ پاکستان کی عوام کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر شناخت دی جائے۔

تیسری کوشش جغرافیائی لحاظ سے بھی ہوئی۔ پاکستان کے ابتدائی دور میں بھی یہ سوال پیدا ہوا کہ پاکستان کی تاریخ کو کہاں سے شروع کیا جائے اور پاکستان کی تاریخی حیثیت کیا ہے، شروع میں حکومت پاکستان نے ایک ماہر آثار قدیمہ سے ایک کتاب لکھائی "Five Thousand Years of Pakistan"۔ انہوں نے وادی سندھ پر کام کیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان کی تاریخ کو وادی سندھ کی تہذیب سے شروع کریں گے لیکن آگے چل کر اس بات کی مخالفت ہوئی اور اب یہ سوال ہوا کہ تاریخ کہاں سے شروع کی جائے، کچھ نے کہا کہ 47ء سے شروع ہونی چاہئے، کچھ نے کہا 711ء سے، جب محمد بن قاسم آیا تھا اور اس سے پہلے کی تاریخ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے، ایک قلیل طبقے کا یہ کہنا تھا کہ قدیم تاریخ بھی ہماری ہی ہے لیکن ہوا یہ کہ اب پاکستان کی تاریخ کو محمد بن قاسم سے شروع کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ موئنجو دڑو اور اس سے پہلے کی تاریخ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے، یہاں تک کہ جماعت اسلامی کے ایک صاحب موسیٰ بھٹو نے کہا کہ موئنجو داڑو کو مسمار کر دینا چاہئے کیونکہ ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ وادی سندھ اور گندھارا کی تہذیب سے انکار کر دیں۔ اور ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے تعلیمی نصاب سے قدیم ہندوستان کی تاریخ کو نکال دیا گیا۔

1971ء میں بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد پھر ایک نئے پاکستان کا تصور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیا۔ بھٹو صاحب کے دور میں کلچر ڈیپارٹمنٹ کے تحت ثقافت کے نام سے رسالہ نکلتا تھا جس میں قدرت اللہ فاطمی اور دیگر حضرات مضامین لکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ خطہ پاکستان سوائے 500 سال کے ہندوستان کا حصہ نہیں رہا اور اس کی ایک الگ شناخت ہے، لہٰذا ہمارا ہندوستان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے مورخ ڈاکٹر دانی نے کہا کہ ثقافتی لحاظ سے ہمارا تعلق ہندوستان کے بجائے وسطی ایشیا اور ایران سے ہے، اس لئے ہم ثقافتی لحاظ سے ہندوستان کے بجائے وسطی ایشیا اور ایران کے قریب ہیں ہمیں ان سے تعلق جوڑنا چاہیے۔

**کیا آپ سمجھتے ہیں ہمارا رہن سہن، زبان اور ثقافت ہندوستان سے ملتا ہے یعنی آپ نہیں کہہ سکتے کہ ہم علیحدہ قوم ہیں اور ہم نے سیاسی طور پر ان سے علیحدگی حاصل کی؟**

آپ کی بات صحیح ہے، ہم تاریخ سے الگ شناخت کا جواز نکالتے ہیں جو تاریخ سے نظر نہیں آتا۔ چونکہ جس زمانے میں تاریخی طور پر یہ بات کی گئی تھی کہ مسلمانوں نے حکومت کی حالانکہ بنیادی طور پر یہ صحیح نہیں ہے اور عہد وسطیٰ میں مسلم کا لفظ سب کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا شناخت کی بنیاد نسلی ہوا کرتی تھی مثلاً ترک، عرب، پٹھان، مغل وغیرہ، ان سب کو مسلم شناخت نوآبادیاتی دور میں دی گئی۔ اس سے پہلے اس کا تصور نہیں تھا، تاریخ میں ہندو دور، مسلم دور اور برطانوی دور کی اصطلاحات انگریزوں کے دور میں آئیں، اس پر ولیم جیمس نے پہلی کتاب لکھی اور پہلی مرتبہ اس نے مذہبی بنیادوں پر ان اصطلاحات کو استعمال کیا۔ مسلم شناخت کی تعمیر برطانوی دور میں ہوئی، ورنہ اس سے پہلے ان کی نسلی شناخت ہوا کرتی تھی، جب ہندوستانی نیشنلزم آیا اور اس میں مذاہب سے بالاتر ہو کر سب لوگ شامل ہوئے، اب سارے لوگ ہندوستانی تھے اور کوشش یہ تھی کہ سیاسی طور اور قومی بنیادوں پر انگریزوں کا مقابلہ کیا جائے جب مسلم لیگ بنی اور مسلم شناخت کا مسئلہ آیا تو اس نے اس تحریک کو کمزور کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم بہتر طریقے سے انگریزوں کا مقابلہ کر سکتے تھے، اس فرقہ پرستی نے اس تحریک کو کمزور کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے ہندوستان میں یہ سوال ابھرتا تھا کہ ہم پہلے مسلمان ہیں یا ہندوستانی۔ ایک مرتبہ راجہ صاحب محمود آباد نے قائداعظم کے سامنے کہا کہ ہم پہلے مسلمان ہیں تو جناح صاحب نے کہا نہیں ہم پہلے ہندوستانی ہیں، یہ یہی سوال پاکستان بننے کے بعد بھی پیدا ہوا کہ ہم پہلے مسلمان ہیں یا پاکستانی، جب پاکستان بنا اور کہا گیا کہ یہ اسلامی ریاست ہے تو یہاں 47ء میں پمفلٹ لکھا گیا، جس میں ایک صاحب نے کہا کہ پاکستان چونکہ اسلامی ملک ہے لہٰذا ہر مسلمان اس کا شہری بن سکتا ہے اور ہم جغرافیائی اور تاریخی حدود سے ماوراء ہیں۔ یہ ساری باتیں ان لوگوں کی تھیں جو نئے حقائق سے واقف نہیں تھے کہ دنیا میں نیشنلزم کے تحت قومی ریاستیں وجود میں آ چکی ہیں اور پھر قومی ریاست کے تحت ایک قوم کا تصور سامنے آیا، چونکہ اس سلسلے میں مسلم ممالک میں قومی ریاستیں بنی ہیں وہاں ان کی قومی شناخت پہلے ہے اور مذہب بعد میں، مثلاً مصر کے لوگ اپنے آپ کو مصری اور ایران کے لوگ ایرانی کہلاتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی کہی گئی تھی کہ ہم لوگ ہندوستان کے بجائے وسطی ایشیا اور افغانستان کے قریب ہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ ہم لوگ اپنی سرکاری زبان فارسی یا عربی کر لیں، لیکن دیکھا جائے تو زبان کا کلچر سے تعلق ہوتا ہے، ہم انگریزی زبان اختیار کرنے سے انگریز نہیں بن گئے لہٰذا یہ ایک غلط فہمی ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو عادات آب و ہوا اور کلچر کے اعتبار سے ہم ہندوستان کے قریب ہیں لیکن بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد ہندوستان کے خلاف شدید جذبات کی بنا پر یہ کوششیں ہوئیں کہ ہندوستان سے تاریخی و ثقافتی تعلقات کاٹ کر اسلامی ممالک سے جوڑا جائے۔

> جغرافیائی لحاظ سے جو لوگ پاکستان میں بستے ہیں ہمیں ان کو ایک قوم سمجھنا چاہیے اور ان کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا چاہیے اور آج کل قومی ریاست کا یہی تصور ہے، اگر ہم اس پر عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان قومی ریاست نہیں ہے اور ہم ایک قوم نہیں ہیں

**گویا شناخت سیاسی ایشو تھا، حقیقی نہیں تھا؟**

بالکل سیاسی ایشو تھا اور اصل جھگڑا یہ تھا کہ مسلمانوں کو کتنی سیٹیں ملیں گی اور مسلمانوں کے سیاسی تحفظات کیا ہوں گے۔

**مسلم امہ کے تصور کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟**

مسلم امہ کے تصور میں تاریخی طور پر کوئی وحدت نہیں رہی۔ آپ خلافت کا دور یا ہندوستان کے سلاطین کا دور دیکھیں اس میں مختلف قوموں کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاندان رہے ہیں، ان میں اتحاد کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ عہد وسطیٰ کے جو شاہی خاندان ہوتے تھے وہ صرف اپنی سلطنت یا اپنی رعایا کے مفادات کو دیکھتے ہیں۔

عرب قوم پرستی کی بنیاد مذہب نہیں تھا بلکہ زبان تھی لہٰذا اس میں عیسائی بھی شامل تھے اور انہوں نے عربی زبان کی ترویج کے لئے بہت کام کیا ہے یعنی جتنی زبان مضبوط ہوگی، اتنی ہی ان کی قومیت مضبوط ہوگی۔ تاریخ کو دیکھئے تو انہوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زبان ثقافتی لحاظ سے لوگوں سے جوڑ کر رکھتی ہے، مذہب کی اپنی جگہ اہم حیثیت ہے لیکن اس کی بنیاد پر اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔ ہم تاریخی لحاظ سے دیکھ بھی سکتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کو ہم مذہب کی بنیاد پر نہیں رکھ سکے اور تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے اپنے مفادات ہوتے ہیں جس کی تکمیل کے لئے اگر مذہب حائل ہو تو وہ اسے قربان کر دیتے ہیں۔

**آپ کے خیال میں اس وقت پاکستانی قوم کی اسلامی شناخت کیا ہے؟**

جغرافیائی لحاظ سے جو لوگ پاکستان میں بستے ہیں ہمیں ان کو ایک قوم سمجھنا چاہئے اور ان کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا چاہئے اور آج کل قومی ریاست کا یہی تصور ہے، اگر ہم اس پر عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان قومی ریاست نہیں ہیں اور ہم ایک قوم نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ریاست کو مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار ہونا چاہئے جب تک ریاست غیر جانبدار نہیں ہوگی یہ مسائل رہیں گے، جب ریاست غیر جانبدار ہوتی ہے تو سوسائٹی میں لوگ جس مذہب اور فرقے پر چاہیں عمل کریں لیکن اگر ریاست کا مذہب ہوگا تو یہ جھگڑا ہوگا کہ کس فرقے کا مذہب ہونا چاہئے اس لیے ریاست کا مذہبی معاملات میں بھی غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔ لوگ چونکہ سیکولرازم کے لفظ سے گھبراتے ہیں۔ اس لئے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ریاست مذہب کے معاملے میں دخل نہ دے۔ سوسائٹی مذہب کے معاملات میں آزاد ہوتی ہے جو چاہے کرے، اگر ہم یہ نہیں کریں گے تو ہم معاشرے میں مذہبی معاملات میں ہمیشہ جھگڑتے رہیں گے۔

بہرحال اس قوم کی کوئی اسلامی شناخت نہیں ہے، کوئی فرقہ ایک دوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتا بلکہ اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے۔ اس لئے دیکھا جائے تو مذہب کی بنیاد پر کوئی شناخت نہیں بنتی ہے، اور اگر مذہب کی بنیاد پر شناخت بنائیں گے تو شناخت در شناخت بن جائے گی۔

**مختلف فرقوں میں جو مشترک باتیں ہیں مثلاً نماز، روزہ اور مذہبی رسومات وغیرہ تو مجموعی طور پر اس سے ایک الگ اسلامی شناخت پیدا نہیں ہوتی؟**

ہاں شناخت پیدا ہوتی ہے لیکن ایک قوم یا فرد کے اندر شناخت کی کئی سطحیں ہوتی ہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شناخت کئی سطحوں کے بعد آئی ہے۔ آپ کی پہلی شناخت جغرافیائی ہے کہ آپ پاکستانی ہیں پھر علاقائی، سندھی یا پنجابی ہیں۔ پھر اس کے بعد فرقہ واریت شناخت بن جاتی ہے یعنی دیوبندی، بریلوی، شیعہ وغیرہ، اور پھر شناخت بھی کئی ذیلی شناختوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور پھر آپ ایک شناخت کو ظاہر کرتے ہیں اور ایک کو چھپاتے ہیں اور سیاسی و معاشی حالات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں کہ کون سی شناخت کو ظاہر کیا جائے۔

جب بھی کسی کو خیال ہوتا ہے اس کی شناخت کی بنیاد کمزور ہے، تو وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ مغربی کلچر کی یلغار ہو رہی ہے اور ہماری روایات کو خطرہ ہے۔ ایک چیز یہ ہے کہ یہ روایات اور مذہبی تہوار، ثقافت اور انسان کی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں لیکن مذہبی علماء اور اہل سیاست کو خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ثقافت و روایات ختم ہو جائیں اور باہمی کوئی فرق قائم نہ رہے تو ان کی سیاست ختم ہو جائے گی۔

**اقبال کا شناخت کے حوالے سے کیا نقطہ نظر ہے؟**

اقبال کو تھوڑا بہت پڑھا ہے تو اس میں کافی تضادات نظر آتے ہیں۔ پہلا تضاد تو یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری اور فلسفہ میں کافر و مومن کا فرق رکھنا چاہتے ہیں، جو ظاہر ہے ان کے نزدیک ایک سچائی اور دوسرا گمراہی پر ہے۔ دوسرا وہ مسلم امہ کی بات کرتے ہیں کہ ”نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر“ لیکن تاریخی لحاظ سے دیکھتے ہیں کہ کبھی بھی مسلم امت میں اتحاد نظر نہیں آتا ہے۔ اس کے بعد وہ شیخ احمد سرہندی کے بھی مداح نظر آتے ہیں لیکن تاریخی لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا اپنے دور میں کوئی اہم کردار نہیں رہا۔ جیسے مؤرخوں نے بتایا ہے۔ وہ اپنے مکاتیب کی وجہ سے متنازعہ بنے، ایک مکتوب میں ہے کہ وہ خدا کے اتنے قریب ہوئے کہ ابوبکر و عمر پیچھے رہ گئے جس کی وجہ سے عوام میں اشتعال پیدا ہوا اور جہانگیر نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ اس کے بعد وہ اپنے مکاتیب میں ہر چیز کی مخالفت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو فلسفہ و ریاضی کو نہیں پڑھنا چاہئے، صرف شرعی علوم کو پڑھنا چاہئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے ان کے بارے میں سب کچھ نہیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پڑھا تھا، ان کی یہ غلطی نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اکبر اعظم کے بجائے اورنگزیب عالمگیر کے مداح نظر آتے ہیں۔ اکبر اعظم کے بارے میں ان کے وہی خیالات تھے جو اس وقت کے عام مسلمانوں کے تھے کہ مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار اکبر ہے۔ اسے مغلیہ خاندان کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا، ہندو عورت سے شادی کی اور ہندو رسم و رواج کو تقویت دی۔

**کیا یہ تضادات اقبال کی ہمہ جہتی شخصیت کی بناء پر نہیں ہیں، وہ کبھی سماجی معلم ہیں اور کبھی ماہر الٰہیات؟**

جب آپ کسی خاص وقت میں اس قسم کی باتیں کریں کہ لوگوں کے اندر جوش و ولولہ پیدا ہو لیکن آگے چل کر وہ بڑی نقصان دہ بن جاتی ہیں۔ اقبال کو ایک وقت اس تناظر میں دیکھتے ہیں جیسے حالی کی مسدس میں ہے جس میں بڑی بے بسی سے لکھا ہے کہ ''خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے''۔ اقبال کے ہاں ایک طاقت کا تصور ہے کہ طاقت آنی چاہئے اس کے بغیر قومیں آگے نہیں بڑھتی ہیں۔ انہوں نے اس تصور کا سہارا لیا، تاریخی مسلمات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے نزدیک جو مسلمانوں کے ماضی کا تصور ہے، وہ فتوحات کا ہے اور انہوں نے کہیں بھی مسلمانوں کے علمی کارناموں کو ذکر نہیں کیا بلکہ تلوار اور طاقت کے زور پر فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ زوال شدہ معاشرے میں جب اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں تو فخر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن ان جذبات سے آپ کچھ تعمیر نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کی کوئی تخلیقی بنیاد نہیں ہوتی۔

**کیا اقبال فکری لحاظ سے اس بات کے قائل تھے؟**

ان کی فکر میں یہ باتیں تسلسل سے نظر آتی ہیں کہ وہ قومیت کے خلاف تھے، اسلام کے بارے میں ان کا تصور ہے کہ یہ جغرافیائی سرحدوں سے ماوراء ہے۔ امت کے شاندار ماضی کو انہوں نے پیش کیا اور اسلامی فتوحات کی شخصیتوں کو انہوں نے جس طرح ابھارا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ریاست کو اقبال کی یہ چیزیں پسند آئیں اور ان کی تشہیر کی، جس سے وقتی طور پر فخر کے جذبات تو پیدا ہو جاتے ہیں لیکن یہ جذبات آگے چل کر آپ کو بالکل گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

**قومیت سے مراد ایک تو بلوچ، پٹھان وغیرہ ہیں، اس کی سب مخالفت کر سکتے ہیں لیکن اگر قومیت سے مراد پاکستانی قوم لیا جائے تو کیا اقبال نے اس میں فرق رکھا ہے؟**

اقبال نے یہ فرق بالکل رکھا ہے کیونکہ اقبال یورپ کی قوم پرستی کے نظام کے خلاف ہیں جس کے تحت قومی ریاست میں مذہب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، قومی ریاست میں سرحدوں کا تصور ہے، قوم کا تصور ہے، اقبال اس سے ماوراء بات کرتے ہیں کہ مسلمان چاہے دنیا کے کسی حصے میں ہو، مذہبی لحاظ سے ایک قوم ہیں۔

اسی طرح مغربی تہذیب کی مخالفت میں اقبال کی فکر میں تضادات ہیں، ایک طرف کہتے ہیں کہ ''ہر قریہ ہے فرنگ کا فردوس کی مانند'' اور دوسری طرف کہتے ہیں ''تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی''۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بحیثیت مجموعی احساس کمتری کا عنصر در آیا تھا۔ اس احساس کمتری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنی منطق بناتے ہیں کہ یورپ نے جو کچھ ترقی کی وہ ہماری وجہ سے کی، حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں لیکن ہم اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ، اسلامی اثرات کی وجہ سے ہوئی اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یورپ میں جو ترقی ہوئی اس میں مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔

**سوئٹزرلینڈ میں مسجدوں کے میناروں کے سلسلے میں ریفرنڈم کا سہارا لیا گیا جبکہ اس وقت یہ ایک مسلم شناخت بن چکی ہے، ان حالات میں مسلمانوں کا کیا فریضہ ہے کہ وہ اپنی شناخت پر چلیں یا جمہوری طریقے پر؟**

بالکل جمہوری طریقے پر چلنا چاہئے، یہ مساجد بنا کر اپنی شناخت کو ظاہر کرنا کوئی ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی طریقے ہیں۔ آپ ان کے معاشرے کے کلچر اور تحقیق میں حصہ ڈالیں، جیسے آپ یہودیوں کی مثال کو دیکھیں، یہودیوں نے پورے یورپ اور امریکہ کے کلچر میں حصہ ڈالا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ ہیں، آپ دیکھیں کہ سائنس، فنون لطیفہ، تعلیم اور کاروبار میں نمایاں لوگ یہودی ہیں اور اس عمل سے ان کی یہودی شناخت ختم نہیں ہوئی، وہ پہلے امریکی، فرانسیسی ہیں پھر یہودی ہیں اور وہ معاشرے کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیتے ہیں جبکہ ہمارے لوگ ان کے معاشرے سے الگ تھلگ رہتے ہیں اس کا حصہ نہیں بنتے اور ان کے معاشرے میں جو ترقی ہو رہی ہے اس میں حصہ نہیں لیتے، نتیجہ یہ کہ آپ اپنی شناخت کو مسلمان رکھیں گے اور امریکی یا جرمن شناخت نہیں رکھیں گے تو آپ اس معاشرے سے الگ تھلگ ہو جائیں گے۔

© rasailojaraid.com